Lesson 1: Al-Kahf (Ayaat 1- 8): Day 2

سُوۡرَةُ الكهف کی تفسیر

اِس (قرآن) کتاب کی اگلی خوبی دیکھیں۔ آیت 2

قَيِّمًا لِّيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِّن لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ۙ

﴿۲﴾ ٹھیک ٹھیک سیدھی بات کہنے والی کتاب، تاکہ وہ لوگوں کو خدا کے سخت عذاب سے خبردار کر دے، اور ایمان لاکر نیک عمل کرنے والوں کو خوشخبری دیدے کہ ان کے لیے اچھا اجر ہے۔

پہلے عِوَجًا کہا کہ ٹیڑھی میڑھی نہیں ہے۔ اب قَيِّمًا کہا، کہ بالکل سیدھی ہے یعنی بات کو اور زیادہ واضح کرنے کے لیے کہا۔ اس کے تین مختلف معنی سمجھئے تاکہ آپکا ذہن اور کُھل جائے۔ علمی باتوں سے یقین پختہ ہوتا ہے۔ قرآن کا یہ حُسن ہے کہ آپ اس کے ایک ایک لفظ کی تفسیر کریں۔ اپنا قیمتی وقت ان میں لگائیں۔ یہ الفاظ آپکو موتیوں کی طرح لگیں گے۔ میں امام بخاری کی زندگی کو پڑھتی ہوں تو مجھے اپنی فکر لگ جاتی ہے کہ کس طرح میں وقت نکال کے اپنے آپ کو سیدھا کرلوں۔ اس کتاب پہ محنتیں کرنے والوں کے پاس میرے اور آپ سے بہت کم ذرائع تھے۔ اُن کی زندگی میں کھانے پینے بہت کم تھے۔ وہ کیا کیا کام کر گئے۔

واپس لفظ قَيِّمًا پہ آتے ہیں۔ اس کا معنی ہے 'مستقیم'۔ ق، و، م اس کا روٹ ہے۔ بالکل سیدھا۔ عربی زبان میں سب سے زیادہ الفاظ اسی مادہ سے ہیں۔ 'قَيِّمًا، درست کرنے والا، بالکل سیدھا۔ یعنی قرآن وہ ہے جو دوسروں کو سیدھا کر دیتا ہے۔ کتنے ہی بگڑے ہوئے لوگ ہیں جو اس کتاب سے جُڑتے ہیں اور سیدھے ہو جاتے ہیں۔ قَيِّم کی روشنی میں قرآن کی پہلی خوبی، کہ یہ لوگوں کو سیدھا کر دیتا ہے۔ سورۃ

الانعام آیت پندرہ میں بھی یہی بات آتی ہے اور اسی طرح سورۃ بینہ آیت دو اور تین میں بھی یہی بات آتی ہے اور سورۃ بنی اسرائیل آیت نو (9) میں بھی یہی بات آتی ہے۔ عربی زبان میں قَیِّم مینیجر کو کہتے ہیں۔ مینیجر کا کام ہوتا ہے کہ وہ دیکھے کہ کام ٹھیک ہو رہا ہے یا نہیں۔ اسی طرح عمارت کے ستون، جن پر عمارت کھڑی ہوتی ہے اُنکو بھی قَیِّم کہتے ہیں۔ قَیِّم کا دوسرا معنی ہے 'معتدل'۔ افرط و تفریط سے پاک۔ یعنی اس کتاب میں کہیں بھی Extremism نہیں ہے۔ کسی غیر مسلم سے کہیں کہ وہ پورے یقین کے ساتھ اس قرآن کو سورۃ فاتحہ سے لے کر سورۃ الناس تک پڑھے اور کوئی ایک ایسی سورۃ یا آیت نکال لائے جس میں انتہاپسندی کی تعلیم دی گئی ہو، تو نہیں ملے گی۔ یہ تو ہم مسلمان ہیں جنہوں نے اپنے بھونڈے پن سے اس کتاب کو یہ الزام دلوا دیا۔

سورۃ الانعام آیت 115 میں بھی آتا ہے کہ وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا ؕ تیرے رب کی بات تو عدل اور صِدق کے ساتھ پوری ہوئی۔ قَیِّم کا تیسرا معنی ہے کہ خود بھی سیدھا ہے۔ پہلا معنی تھا "سیدھا کرنے والا"، دوسرا ہے "سیدھا"۔ یعنی یہ کتاب پچھلی کتابوں کی کمی بیشی کو دور کرتی ہے۔ اللہ نے سورۃ مائدہ میں اپنے نبیؐ کو کہا کہ ہم نے آپکی طرف وہ کتاب نازل کی جو پچھلی کتابوں کی کمی بیشیوں کو دور کرتی ہے۔ قرآن خود بھی کامل ہے، سیدھا ہے۔ اسکے اندر کی تعلیمات بھی بہت خوبصورت ہیں، کمال بھی پیدا کرتی ہے اور دوسری چیزوں کی نگہبانی بھی کرتی ہے۔ اس کتاب سے تعلق رکھنے والے سیدھے ہو جاتے ہیں۔ جس کی سوچ میں انتہاپسندی نظر آئے، سمجھ جائیں ابھی علم کی کمی ہے۔ علم کے ساتھ نرمی آتی ہے۔ اگر ابھی تک آپ کے اندر نرمی نہیں آئی تو سمجھ جائیں کہ ابھی قرآن کے پانی نے پورا اثر نہیں کیا۔ جو لوگ قرآن میں تبدیلیاں کرتے ہیں اُن کی مثال ایسے ہے جیسے "صابن" کو دھونا

شروع کر دیں۔ قرآن کے لیے کہنا کہ اسے بدل دو اور کوئی اس سے اچھی کتاب لاؤ، یہ بیو قوفی ہے۔ یہ اتنی پیاری کتاب ہے اسکو کیسے چھوڑ کے کوئی اور کتاب لے آئیں۔ اگر کوئی ترازو کے باٹ ہی بدل دے تو وہ کبھی بھی صحیح نہیں تولے گا۔قَیِّم میں توازن کا بھی تصور ذہن میں رکھیں۔

قرآن کی تعلیم دیتے وقت بہت محتاط رہتے ہوئے، اپنے جذباتی رجحانات کو پیش کیے بغیر اس کو اللہ کے بیان کیے ہوئے معنی کے مطابق دینا چاہیے۔ یہ حلال ہے، یہ حرام ہے، یہ جائز ہے، اسکی رخصت ہے۔ ہم دین کے نام پہ جب لوگوں کو جھوٹا تقویٰ پیش کرتے ہیں اور لوگ ذرا اُس سے باہر نکلیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ وہ دین سے نکل گئے، اور اگر ہم دین کی کوئی جائز چیز کر لیں تو لوگ کہنے لگ جاتے ہیں کہ یہ کون سا دین ہے کہ اس میں تو یہ بھی کر سکتے ہیں۔ اصل میں ہم نے اسلام کے مزاج کو سخت کر دیا۔ یہاں تک کی تمام باتیں قرآن کی 'صفات' ہیں۔

اَب اگلی بات کہ یہ قرآن اللہ نے کیوں بھیجا؟ لِّيُنذِرَ تاکہ یہ ڈرائے۔ پہلی بات کہ 'اِنذار' کے لیے آیا۔ نُذر، ن، ذ، ر، ایسی خبر دینا جس میں ڈرایا گیا ہو۔ لِّيُنذِرَ کا فاعل "نذیرًا وَّبشیرًا" ہے۔ کتاب خود نہیں ڈراتی۔ ہمارے گھروں میں ایک عرصہ سے پڑی ہے کبھی نہیں ڈرایا۔ يُنذِرَ کا فاعل نذیر ہے۔ یعنی محمد ﷺ۔ اور حقیقت ہے کہ اگر کوئی اس کتاب کو نہ بھی پڑھائے، آپ شعور کے ساتھ اسے پڑھنے لگ جائیں تو اُس وقت بھی دل ڈر جاتا ہے۔ اسلئے نزول کا مقصد یہ ہے کہ اس سے لوگوں کو ڈرایا جائے۔ میں اور آپ یہ کتاب ٹیسٹ دینے یا بحث کرنے کے لیے نہیں پڑھ رہے بلکہ اسلیے پڑھ رہے ہیں کہ ہم ڈر جائیں۔ جھوٹ بولنے سے، دھوکا دینے سے، افراط و تفریط سے ڈر جائیں۔

بَأْسًا شَدِيدًا مِّن لَّدُنْهُ ایک بہت بڑی آفت سے پہلے جوان کی طرف آنے والی ہے۔

بَأس کا لفظ سخت تنگی کے لیے آتا ہے۔ ب، ء، س۔ عذاب مُراد ہے۔ اور اس میں قیامت کی طرف بھی اشارہ ہے اور دنیا میں پھیلے ہوئے فتنوں کی طرف بھی ہے۔ سورۃ الاعراف آیت چار میں بھی یہی بات آتی ہے۔ قرآن کے نزول کے مقاصد میں ایک مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو ایک بہت بڑی آفت کے بارے میں خبر دے دی جائے۔ بَأس کا لفظ یہاں واحد کے طور پہ آیا ہے۔ اس کا مطلب 'جنگ' ہے اور جب جمع کے طور پہ آتا ہے تو سختی، مصیبت اور بھوک اور تکلیف کے لیے آتا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت 177 جسکا نام 'آیتِ بِر' تھا؛ اُس میں یہ لفظ واحد اور جمع دونوں صورتوں میں آیا تھا۔

فِي الْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَأْسِ۔ بَأْسًا اور بَأْسِ، واحد اور جمع، دونوں آ گئے۔ یہاں بَأْسًا شَدِيْدًا سے مُراد شدید جنگ ہے۔ اصل میں اُس دجالی فتنے کی طرف اشارہ ہے جو قیامت کے قریب ظاہر ہو گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ کوئی نبی اور رسول ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو دجال کے فتنے سے خبر دار نہ کیا ہو۔ کیوں کہ یہ فتنہ مومن کے لیے سخت ترین امتحان ہو گا۔ اور پوری انسانی تاریخ میں اس فتنے سے بڑا کوئی فتنہ نہیں ہے۔ اللہ کے نبی ؐ اپنے لوگوں کو اتنا زیادہ ڈراتے تھے کہ ایسا لگتا تھا کہ جیسے جھاڑیاں ہٹیں گی اور اُس کی پیچھے سے دجال نکل آئے گا۔ یہ سورۃ ہمارے لیے دجال کے فتنے سے اس لیے ڈھارس ہے کہ اسکا پیغام بہت بڑا ہے۔ اگر بَأْسًا شَدِيْدًا کا معنی جنگ کی صورت میں لیں تو اس سے مراد وہی جنگ ہے جسکا ذکر پچھلی سورۃ میں کیا تھا "مذاحمت الاعظمیٰ"۔ قیامت کی نشانیوں میں بھی ہم نے دیکھا تھا کہ اُس سے پہلے ایک بہت بڑی عالمی جنگ ہونے والی ہے۔ اثرات تو نظر آنا شروع ہو گئے ہیں۔ عیسائی روایات میں بھی اس جنگ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ "مجدن" کا نام دیتے ہیں۔

جب حضرت عیسیٰؑ دنیا میں آئیں گے تب یہ جنگیں ہوں گی۔

ایک طرف دجال ہوگا اور دوسری طرف حضرت عیسیٰؑ ہوں گے۔ اُس وقت یہ فتنہ اُٹھے گا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہاں بَأْسًا شَدِيدًا سے مُراد وہ جنگ بھی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دجال کا فتنہ سورۃ کہف کے ساتھ کیوں جُڑا ہوا ہے؟ لفظ 'دجال' کا روٹ د،ج،ل ہے۔ دجل کا لفظی معنی ہے 'دھوکہ'، فریب۔ دجال اسم فاعل ہے۔ ایسا شخص جو بہت دھوکے باز ہو۔ جس نے دوسرے کو دھوکہ دینے کے لیے جھوٹ اور فریب کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو۔ اسی لیے نبیؐ کی احادیث میں نبوت کے

جھوٹے دعویداروں کو بھی دجال کہا گیا ہے۔ آپ نے معروف روایت سُنی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میرے بعد تیس (30) دجال پیدا ہو جائیں گے اور تم اُن سے جہاد کرنا۔ مسلمہ کذاب کے نبوت کا دعویٰ کیا تو وہ بھی دجال تھا۔ تو جھوٹی بنوت کے دعویدار کو بھی دجال کہتے ہیں۔ اصل دجال یہود میں سے آئے گا۔ جس طرح ہم مسلمان حضرت عیسیٰؑ کے آنے کے منتظر ہیں اور ٹھیک سوچ رکھنے والی عیسائی بھی حضرت عیسیٰؑ کے آنے کے منتظر ہیں، اسی طرح یہود بھی مسیحِ دجال کے منتظر ہیں۔ اُنکی کتابوں میں دجال کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ یہاں ہم دجال سے زیادہ دجالیت پہ بات کرسکتے ہیں۔ دجالیت کہتے ہیں "مادہ پرستی" کو۔ دنیا کی محبت، اسی کو حدیث میں "وہن" کہا گیا۔ 'حُبُ الدنیا وَکراہیتُ الموت'۔ آج کے دور میں مادہ پرستی اتنا بڑا دجالی فتنہ بن گئی کہ لوگوں کے ذہن، دل، سوچیں، نظریات، افکار حتیٰ کہ ہماری اقدار بدل گئیں۔ اتنی مادیت آگئی کہ انسان اللہ کو تو بھولا تھا ، اب انسانوں کو بھی بھول گیا۔ "مسبب الاسباب" کو چھوڑ کر صرف اسباب پر توکل کرتے ہیں۔ ہم اس کتاب کو چھوڑ کر دنیا کے پیچھے ایسے بھاگے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ آلِ عمران میں کہا تھا کہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں، مگر ایک دھوکے کا سامان ہے۔ ہم دنیا کے دھوکے میں ایسے آگئے کہ آخرت جو اتنی بڑی

حقیقت ہے اُسے پیچھے ڈال دیا۔ اور دنیا جو اتنی جھوٹی اور گندی ہے اُسکو خوبصورت کر لیا۔ صُبح سے لے کے شام تک ساری دوڑ دھوپ اس دنیا کے لیے ہے۔ اگر مستقبل کی فکر بھی ہے تو وہ دنیا کے مستقبل کی ہے۔ تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ آج مسلمانوں کا بچہ بچہ بھی اس دجالی فتنے میں گرفتار ہو چُکا ہے۔ اس دنیا کو بُڑھیا سے بھی تشبیعہ دی گئی ہے کیوں کہ جب انسان بوڑھا ہو جاتا ہے تو اُس کی خوبصورتی کم ہو جاتی ہے۔

ایک بڑی طویل حدیث ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ نبیؐ جب معراج پہ جا رہے تھے تو ایک چمکتی، دمکتی، تیار، میک اپ کیا ایک بڑھیا نے آپکو پیچھے سے آواز ی، تو آپؐ نے اُس کی آواز پہ لبیک نہیں کہا۔ جبرائیل امین نے کہا اے نبیؐ آپؐ کو پتا ہے یہ بڑھیا کون تھی، "یہ دنیا تھی"۔ اور اے نبیؐ اگر آپؐ اسکی آواز پر پلٹ کے دیکھ لیتے تو آپؐ کی ساری اُمت دنیا پرست ہو جاتی۔ اور آج اگر دنیا کے حالات دیکھیں تو میں سوچتی ہوں کہ ابھی تو اللہ کے نبیؐ نے اُسے پلٹ کے دیکھا بھی نہیں تھا تو ہمارے یہ حالات ہیں، اگر دیکھ لیتے تو ہمارا حال کیا ہوتا۔ یہ ایسی بڑھیا ہے کہ جتنی بوڑھی ہو رہی ہے، اُتنی حسین ہو رہی ہے۔ آج سے پچاس سال پہلے دیکھیں، بادشاہوں کا دور دیکھیں تو پنکھا جھلا جاتا تھا۔ غریب کھجور کی چھال کا پنکھا بنا لیتا ہو گا۔ آج چھوٹے گھروں میں پنکھے، بڑے گھروں میں اے، سی، اُن سے بڑوں گھروں میں سینٹرل ائیر کنڈیشن ہے۔ ہم ہر دوسرے دن چیزیں خریدنے بھاگتے ہیں کہ آج کیا نیا آیا ہے، یہ دجالیت ہے۔ ضرورت کے تحت چیز خریدیں۔ آپ جس کو دنیا کہتے ہیں وہ 'گند' ہوتا ہے۔ جب ہم دنیا کی ترقی کے نام پہ بھاگتے ہیں تو ایک مایا جال میں پھنس جاتے ہیں۔ گھر کے ہر فرد کو اس لیے پڑھنا پڑتا ہے کہ ہر فرد نے کمانا ہے۔ جب سب کمائیں گے، اور چیزیں آئیں گی اور گھر اصطبل بن

جائے گا۔ زندگی کو ایک جگہ پہ جمائیں اور مطمئن رہیں۔ یہ سورۃ اسلیے ہر جُمعہ کو پڑھی جاتی ہے کہ ہر جُمعہ کو اپنے گھر، الماریاں، فریج اور فریزرز کو بھی دیکھ لیں کہ کیا کچھ فالتو رکھا ہوا ہے۔ خواتین اُس دن بہت خوش ہوتی ہیں جب گھر میں گروسری آتی ہے۔

اس سورۃ میں ہم بہت سارے فتنوں کو دیکھیں گے۔ اب اگلی خوبی وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور خوشخبریاں سُناتی ہے مومنوں کو الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ جو عمل کرتے ہیں بڑے خوبصورت۔ اور وہ خوشخبریاں یہ ہیں کہ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ اُن کے للیے بہت بڑا اجر ہے۔ قرآن کی خوبی دیکھیں، پہلے 'انذار' تھا اور اب 'تبشیر'۔ ہم نے پڑھا کہ قرآن قَيِّمًا ہے، جسکا دوسرا معنیٰ 'معتدل' تھا۔ یہ آیت اس کی دلیل بن گئی۔ پہلے نذیر پھر بشیر۔ یہ کتاب صرف ڈراتی نہیں، خوشخبریاں بھی دیتی ہے۔ اس میں صرف ڈراوے نہیں ہیں، فائدے بھی ہیں۔ اس میں صرف ایسی باتیں نہیں ہیں جن سے لگے کہ اب زندگی تنگ ہو گئی بلکہ اس میں خوشخبریاں بھی ہیں۔ سورۃ مریم آیت 97 میں آتا ہے فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ (اے پیغمبر) ہم نے یہ (قرآن) تمہاری زبان میں آسان (نازل) کیا ہے تاکہ تم اس سے پرہیزگاروں کو خوشخبری پہنچادو اور جھگڑالوؤں کو ڈر سنادو۔ اس آیت میں دونوں الفاظ آ گئے کہ آپ اس کے ساتھ جھگڑالو قوم کو ڈرائیں۔

اللہ کے نبیؐ نذیر تھے۔ اُنہیں ڈرانے کا کام دیا گیا۔ اور نُذِر، ایسی خبر دینا جس میں ڈرایا گیا ہو۔ اس قرآن کو پڑھنے سے متقیوں کو خوشخبریاں ملتی ہیں۔ اور قَوْمًا لُّدًّا جھگڑالو اس سے دور بھاگتے ہیں۔ اُنہیں یہ کتاب مشکل لگتی ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم اتنی تنقید برداشت نہیں کرسکتے تو وہ اسے بند کر دیتے ہیں۔ اور یہ کتاب دنیا میں اس بات کی خوشخبریاں دیتی ہے کہ خوش رہو، روتے دھوتے نہ رہو۔

يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ، نیک اعمال کے لیے دو شرائط ہیں۔ پہلی شرط 'اخلاص'، شرک سے پاک اور دوسری 'اتباعِ سُنت'۔ نبیؐ کا طریقہ، بدعت سے پاک اعمال۔ اپنے اعمال کو چیک کرلیں کہ اخلاص ہے، اور جو بھی عمل کرتی ہوں وہ سُنت کے مطابق ہے یا نہیں۔ نماز کے نام پہ بھنگڑا ڈال دیں اور کہیں رَب، رَب کررہے ہیں، ایسا نہیں ہوسکتا۔ اس میں پہلی شرط تو ہوسکتی ہے کہ اخلاص تھا لیکن دوسری شرط نہیں تھی کہ نبیؐ کی سُنت کے مطابق نہیں تھا۔ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا کو دیکھیں۔ یہاں ایک بہت لطیف سا نکتہ ہے کہ جنت کو مومن کے عملوں کا نتیجہ کیوں کہا گیا۔ جنت تحفے میں یا صدقے میں بھی دی جاسکتی تھی لیکن یہاں کہا گیا کہ اَجْر ہے۔ اجر کے ساتھ ہی محنت ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔۔ یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

پہلی بات کہ محنت کرو، خواہشات سے جنت نہیں ملتی۔ دوسری بات کہ جب تم کوئی چیز اپنی محنت سے لیتے ہو تو کسی کا کوئی احسان نہیں ہوتا۔ تو ایک بیلنس سوچ دی کہ کسی کا احسان نہیں ہے، تم نے محنت کی تمہیں جنت مل گئی۔ پیچھے بھی پڑھا، آگے بھی پڑھیں گے کہ جنتی جب جنت کی نعمتوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ اتنا کچھ ہمیں کیوں دیا۔ تو اللہ کہیں گے یہ تمہاری محنتوں کا نتیجہ ہے۔

یہ کتاب حقیقت میں ہمیں سکھاتی ہے کہ تم اچھے عمل کرو تو ضرور پھل پاؤ گے۔ جنت میں کسی کو افسوس نہیں ہوگا کہ ہمیں جنت احسان کے طور پر یا صدقے میں ملی۔ اب آخری بات کہ کیا ہمارے پاس ایسے اعمال ہیں؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ انسان کوشش کرے، اگر اعمال میں کچھ کمی بیشی ہوگی تو وہ اللہ اپنے پاس سے پوری کرلے گا۔ آپ کچھ تو اپنے پاس جمع کریں۔ وہ ہماری کوششیں دیکھے گا۔ یہ بالکل ایسے ہے کہ ایک بچہ کچھ پیسے جمع کرے اور کچھ خریدنے جائے۔

اُس چیز کی قیمت 10 پاؤنڈ ہو اور بچے کے پاس پانچ پاؤنڈ ہوں۔ آپ کہیں کہ اچھالاؤ باقی پیسے میں ڈال دیتی ہوں۔ اللہ میرے اور آپ کے ساتھ یہی کرنے والا ہے۔

میرے آپ کے بہت چھوٹے چھوٹے اعمال ہیں۔ ان سے جنت کی ایک شرٹ چھوڑیں، ٹائی بھی نہیں ملے گی۔ تو اللہ کی رحمت ہمیں ڈھانپ لے گی۔ اللہ کے نبیؐ سے پوچھا گیا کہ کیا آپؐ کے اعمال بھی تو کہا کہ ہاں میرے اعمال بھی، مگر یہ کہ اللہ کی رحمت مجھے ڈھانپ لے۔

اللہ کو کوشش کرنے والے پہ پیار آئے گا۔ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں عمل والا بنا دے۔ آمین